بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش گفتار

الحمد للہ و کفیٰ سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ امام بعد!

یکم ستمبر ۱۹۶۳ء کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ (متوفی ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء) سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم ندوۃ العلماء کی دعوت پر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے اصحاب فکر و نظر علمائے کرام کا ایک اہم اجتماع مسلم پرسنل لا اور تمدن جدید کے پیدا کیے ہوئے قابل غور مسائل پر غور و خوض کرنے کے لیے ہوا۔ اجلاس کے آغاز میں حضرت مولانا علی میاںؒ نے "مسلم پرسنل لا اور مسلم ممالک۔ پچھلی نصف صدی کے سلسلے کے اقدامات کا جائزہ" کے عنوان پر ایک فکر انگیز مقالہ پڑھا۔ اس مقالے میں حضرت مولاناؒ نے مسلم پرسنل لا کے بارے میں مسلم ملکوں کے اقدامات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

یہ مقالہ ہفتہ وار "ندائے ملت" لکھنؤ کے ۱۳ ستمبر ۱۹۶۳ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس مقالے کے مطالعے سے یہ تاریخی حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جس کی تشکیل اپریل ۱۹۷۲ء میں ہوئی اس کا اصل محرک یہی مقالہ تھا۔ حضرت مولاناؒ کے اس اہم مضمون کی دریافت کا سہرا مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نائب مدیر "تعمیر حیات" لکھنؤ کے سر ہے۔ مولانا محمد فیضان نگرامی ندوی معاون ناظر کتب خانہ ندوہ کے بھی ہم شکر گزار ہیں کہ انہوں نے "ندائے ملت" کی قدیم فائل سے اس کو نکال کر مجلس استقبالیہ اکیسواں اجلاس کے اہم ذمہ دار مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے جنرل سکریٹری مجلس استقبالیہ مولانا خالد رشید محمد نظام الدین فرنگی محلی کو اس کی اشاعت کی ذمہ داری سپرد کی اور راقم الحروف کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اس کی طباعت کے مرحلہ کی نگرانی کرے۔ اس طرح یہ فکر انگیز اور چشم کشا مقالہ لکھنؤ کے اجلاس میں منظر عام پر آ رہا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو دینی فراست، بصیرت اور ملت اسلامیہ کے تئیں دل سوزی کا وصف عطا فرمایا تھا، اس نے ان کے اندر عصری تقاضوں اور ملت کو درپیش خطرات کو سمجھنے اور اس سلسلے میں اقدامات کرنے کی اعلیٰ درجہ کی صلاحیت اور

امتیازی خصوصیت عطا فرمادی تھی۔ اس مقالے اور اقدام سے مولانا کی یہ صلاحیت وخصوصیت پوری طرح ظاہر ہوتی ہے۔ مولانا نے اس اجتماع کے داعی وناظم کی حیثیت سے ملک کے مختلف مکاتب فکر کے نمایندہ علمائے کرام وقائدین کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے اس مقالے میں اہم مسلم ممالک ترکی، مصر، شام، لبنان، عراق، پاکستان اور تیونس وغیرہ میں پرسنل لا کے سلسلے میں ہونے والے غلط یا صحیح کاموں کا مفصل جائزہ لیا ہے۔ درحقیقت اردو میں یہ معلومات اس تفصیل اور جامعیت کے ساتھ پہلی مرتبہ مولانا کے اس مقالے میں آئی ہیں۔ یہ رائے صرف راقم آثم کی نہیں بلکہ مدیر "ندائے ملت" کی بھی ہے جس کا اظہار انہوں نے مقالے سے قبل اپنے ادارتی نوٹ میں کیا ہے۔

اجتماع میں جو اہم علمائے کرام شریک تھے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، لکھنؤ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ اعظم گڑھ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، لکھنؤ، مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، دہلی، مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ امیر شریعت بہار، مولانا ابواللیث اصلاحیؒ امیر جماعت اسلامی ہند، دہلی، مولانا سید فخرالحسنؒ استاد دارالعلوم دیوبند، مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ، دارالمصنفین اعظم گڑھ، مولانا محمد عمران خاں ندویؒ، بھوپال، مولانا محمد اویس نگرامیؒ استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلیؒ، مولانا محمد تقی امینیؒ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، لکھنؤ۔

داعی جلسہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے امیر شریعت صوبہ بہار واڑیسہ مولانا شاہ منت اللہ رحمانی کے زیر صدارت یہ جلسہ منعقد کیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس جلسے کے ٹھیک بیس سال کے بعد ۱۹۸۳ء میں جب حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے انتقال کے بعد بورڈ کی صدارت کا مسئلہ آیا تو انہی مولانا شاہ منت اللہ رحمانی جنرل سکریٹری بورڈ نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے لیے آپ کا اسم گرامی پیش کیا۔ بورڈ کے تمام ارکان نے بہ اتفاق آپ کے نام کو منظور کیا اور پھر آپ کے عہد صدارت میں بورڈ نے تحفظ شریعت کے سلسلہ میں وہ کارنامے انجام دیے جن سے مسلم ممالک کو بھی سبق لینا پڑا اور ان کے سربراہان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔

امید ہے کہ یہ رسالہ ملت اسلامیہ کے لیے موجودہ حالات میں بھی بڑا چشم کشا اور رہ نما ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

۱۸ر مارچ ۲۰۱۰ء | ہیچ مداں
اسلامک سنٹر آف انڈیا، فرنگی محل، لکھنؤ | نعیم الرحمٰن صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلم پرسنل لا اور مسلم ممالک

پچھلی نصف صدی کے اس سلسلہ کے اقدامات کا جائزہ ☆

حضرات علمائے کرام ومندوبین محترم! اس وقت جب کہ ہم جدید تمدن کے پیدا کردہ متفرق مسائل اور خاص کر اس مسلم پرسنل لا پر غور کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں جو برطانوی عہد سے لے کر اس وقت تک ہندوستان میں رائج ہے اور جس پر ایک طویل مدت سے عمل کیا جارہا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم دوسرے مسلم ممالک میں اس قانون کی صورت حال، اس پر عمل درآمد کی کیفیت، اس کے ارتقاء وتغیرات پر بھی نظر ڈال لیں اور ان تبدیلیوں اور ترمیمات کا بھی تاریخی جائزہ لیں جو مختلف صحیح وغلط محرکات ومقاصد اور حکومتوں کے صحیح وغلط رجحان اور دباؤ کے ماتحت اس نصف صدی کی مدت میں پیش آتے رہے ہیں، یہ مسئلہ اس لیے بھی اہم اور ضروری ہوگیا ہے کہ مسلم پرسنل لا کی تشکیل جدید یا ترمیم واصلاح کے سلسلے میں ان مسلم ممالک کا بکثرت حوالہ دیا گیا ہے۔

آپ جیسے حضرات اہل علم واہل فکر کی موجودگی میں اس بات کا اظہار اور اس کی تفصیل قطعاً غیر ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی قانون، اسلامی اقتدار کے عہد میں ان دو شعبوں میں منقسم نہیں تھا جن میں وہ مغربی اثر واقتدار کے زمانے میں منقسم ہوگیا ہے، یعنی "سول لا" اور "پرسنل لا" اور مسلمان عرب ممالک کی اصطلاح میں "قضاء مدنی" اور "قضاء شرعی" پہلے اسلامی قانون اور اسلامی ممالک کا نظام قضاء ایک وحدت اور جزء لا یتجزیٰ تھا جس کا ماخذ کتاب وسنت اور فقہ کا ذخیرہ تھا جس کو اجمالی طور پر شریعت اسلامی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، تیرھویں صدی ہجری میں جب سلطنت عثمانی میں اضمحلال پیدا ہوا اور بڑھتے ہوئے مغربی نفوذ کے سامنے اس نے بھی ہتھیار ڈالنے شروع کیے تو قضاء کو ان دو شعبوں میں تقسیم کردیا گیا، پرسنل لا کو "الا

☆ یہ فکر انگیز مقالہ اگست ۱۹۶۳ء کو لکھا گیا تھا اور اس مجلس میں جو مسلم پرسنل لا اور جدید تمدن کے مسائل پر غور وفکر کے لیے دار العلوم ندوۃ العلماء میں منعقد کی گئی تھی، یکم ستمبر کو پیش کیا گیا تھا۔

حوال الشخصية" کا نام دیا گیا۔ سول لا کے لیے بھی ۱۲۸۶ھ میں ایک مرتب قانون تعزیرات ہند کی طرح مرتب کیا گیا اس قانون میں علاحدہ علاحدہ دفعات کی شکل میں قانون کو پیش کیا گیا تھا۔ اس میں ۱۸۵۱ دفعات ہیں اور وہ فقہ حنفی کی کتابوں کے معاملات کے حصے سے ماخوذ اور اس پر مبنی ہیں۔ یہ "قانون" عام کتب فقہ کی طرح "کتابوں" اور "ابواب فقہی" پر منقسم ہے لیکن احکام کی تفصیل نمبروار دفعات میں کی گئی ہے جیسا کہ جدید قوانین اور کوڈ میں نظر آتا ہے اس "قانون" میں بعض وقتی مصالح اور زمانے کے بدلے ہوئے تقاضوں کی بنا پر ان بعض اقوال کو اختیار کیا گیا ہے جو فقہ حنفی میں مرجوح قرار دیے گئے ہیں، اس مجموعے میں ۱۶ "کتابیں" ہیں ہر کتاب کے تحت میں ابواب ہیں اور ہر باب کے تحت میں فصول قانون کی ابتدا کتاب البیوع سے ہوتی ہے اور تکمیل کتاب القضاء پر۔ اس مجموعے کی ابتداء ایک وضاحتی نوٹ سے ہوتی ہے جس کا عنوان ہے "لائحة الاسباب الموجبته" گویا اس میں اس قانونی اقدام کے محرکات وموجبات اور اس کا پس منظر بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد ایک تفصیلی مقدمہ ہے جو دو مقالات پر مشتمل ہے، مقالہ اولیٰ فقہ کی تعریف وتقسیم پر ہے، مقالہ ثانیہ میں وہ قواعد کلی بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ہر قاعدہ ایک مستقل بالذات فقہی اصل ہے، جس سے بہت سے فقہی احکام متفرع ہوتے ہیں، اس سلسلے میں مرتبین قانون نے ۹۹ قواعد کلی بیان کیے ہیں، ان قواعد کلی کا اندازہ کرنے کے لیے دو قواعد کی مثال پیش کی جاسکتی ہے ایک جو پہلے قاعدے کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے "الامور بمقاصدها" دوسرا جو آخری ہے "من سعی فی نقض ماتم من جهته وسعیه مردود علیه".

شعبان ۱۲۹۳ھ کو ایک فرمان سلطانی کے ذریعے اس قانون کا اعلان کیا گیا اور پوری دولت عثمانیہ کی عدالتوں میں اس پر عمل کرنا اور اس کے مطابق فیصلے صادر کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ اس طرح یہ پوری وسیع سلطنت عثمانیہ کا عدالتی قانون بن گیا اور چوں کہ فرمان سلطانی سے اس کا نفاذ ہوا تھا اس لیے اس کے مخالف جو آراء اور فتاویٰ کتب فقہیہ میں درج تھے وہ قابل عمل نہیں رہے، اس مجموعے کی خصوصیات، حسن ترتیب، نمبر شمار، وضاحت وعبارت کی سہولت کے علاوہ یہ تھیں کہ اس میں ہر مسئلے میں ایک ہی قول پر اکتفا کیا گیا تھا اور فقہاء کے ان اختلافات اور فقہی اقوال کو جو قدیم متون اور شروح کی خصوصیت ہیں نظر انداز کردیا گیا تھا، لیکن اس مجموعے کی شروح میں ان اختلافات اور فقہی اقوال کو جگہ دی گئی، اس کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا کہ ہر مسئلہ کو اس کی اس جگہ پر

درج کیا جائے جہاں اس زمانے میں اس کی ضرورت پڑتی ہے، اور جہاں عصر جدید کا آدمی اس کو تلاش کرے گا، مثلاً، عقد مضاربہ کا ذکر کمپنیوں کے تحت میں ملے گا، اس لیے کہ دراصل مضاربۃ بھی ایک شرکت عقد ہے جس میں ایک فریق کا راٴس المال ہوتا ہے دوسرے فریق کی محنت اور عمل۔

اسی طرح کی ایک قانونی کوشش، اسی طرح کی ایک وسیع اسلامی سلطنت میں (جو نسلی طور پر بھی آل عثمان سے کچھ زیادہ دور نہ تھی) تین صدی پہلے کی گئی، میری مراد سلطان اورنگ زیب عالم گیر کی فقہ کی تدوین جدید کی اس کوشش سے ہے جو ہندوستان میں فتاویٰ عالم گیری اور اسلامی ممالک میں "الفتاوی الھندیة" کے نام سے معروف ہے اور جس سے آخر آخر دور تک مصر و شام جیسے ملکوں میں بھی بڑا استفادہ کیا گیا۔ سلطان دین پناہ (نور اللہ مرقدہٗ) نے اس کے لیے اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء و فقہاء کی ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔

مصنف "الثقافة الاسلامية فی الھند" اس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فتاویٰ عالم گیری جسے "فتاویٰ ہندیہ" کہا جاتا ہے کثرت مسائل، سہل طرز نگارش اور پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے کے لیے نہایت مفید کتاب ہے، مصر و شام اور بلاد عرب میں یہ فتاویٰ ہندیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی چھ بڑی بڑی جلدیں ہیں، جنھیں ہدایہ کی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے اور نوادر سے قطع نظر کر کے صرف "ظاہر الروایات" پر اکتفا کی گئی ہے، لیکن جس مسئلے میں ظاہری روایت نہ مل سکی اس میں نادر روایتوں کی عبارت فتویٰ کے تحت بے کم و کاست صاحب عبارت کے حوالے کے ساتھ اصل عبارت نقل کر دی ہے، فقہائے احناف کی مدد سے اس جمع و تدوین کا کام سلطان اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی عہد سلطنت میں شیخ نظام الدین برہان پوری کے سپرد کیا تھا اور دو لاکھ روپئے اس پر صرف کیے تھے۔

مولف مذکور نے ۲۴ ممتاز ہندوستانی علماء کے نام گنائے ہیں، جنھوں نے فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں حصہ لیا، ان میں سے چار علماء یہ ہیں، قاضی محمد حسین جون پوری محتسب، شیخ علی اکبر حسینی، اسعد اللہ خاں، شیخ حامد ابن ابو حامد جون پوری اور مفتی محمد اکرم حنفی لاہوری، ان چاروں علماء نے تدوین کے کام کی مل کر نگرانی کی۔"

دولت عثمانیہ کے اس قانونی مجموعے کا نام جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے "مجلة الاحکام الشرعیة" ہے جس کو عموماً "المجلة" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، مصر میں نپولین

بونا پارٹ کے حملہ ۱۷۹۸ء کے بعد ہی سے ''پرسنل لا'' "الاحوال الشخصية" کے دائرے کے علاوہ شہری زندگی کے تمام دائروں میں فرانسیسی قانون کو اختیار کر لیا گیا تھا، شام، عراق اور دولت عثمانیہ کی دوسری ماتحت ریاستوں میں ''مجلة الاحكام الشرعية'' پر عمل ہوتا رہا۔ شام میں تو ۱۸/مارچ ۱۹۴۹ء تک مجلہ ہی پر عمل تھا، حسنی زعیم کی حکومت میں جس نے شام میں پہلا فوجی انقلاب کیا تھا اس وقت کے وزیر قانون اسعد کورانی کے مشورے سے (جنہوں نے حوصلہ مند زعیم انقلاب اور فوجی ڈکٹیٹر کو یہ باور کرایا کہ ملک کے قانون کی تبدیلی اور مغربی قوانین کا اختیار کرنا ان کو تاریخ میں بقائے دوام بخشے گا اور وہ عرب ممالک میں کمال اتاترک کا مقام حاصل کر لیں گے اسلامی قانون کا (جس کی مجلہ نمائندگی کرتا تھا) الغاء ہوا اور مغربی قانون ''سول لا'' ملک کا قانون قرار دیا گیا اور ایک گردش قلم سے صدیوں کا پرانا قانون جو ملک وقوم کے مزاج، عقائد، روایات اور تمدن سے ہم آہنگ تھا کالعدم قرار پا گیا۔ عراق میں بھی اس قانون پر کئی انقلابات آئے مجلہ پر عمل درآمد اگرچہ وہاں بھی عرصے سے موقوف تھا لیکن مشرق وسطی کے مشہور ماہر قانون عبدالرزاق السنہوری کے بقول جو مشرق وسطی کی وحدت قوانین کمیٹی کے صدر تھے، عراق کا سول قانون اپنے اندر زیادہ سے زیادہ اسلامی عنصر رکھتا ہے۔ عراق کے ڈکٹیٹر عبدالکریم قاسم نے تو اپنے مختصر دور حکومت میں "الاحوال الشخصية" ''پرسنل لا'' کے اندر بھی ترمیم واصلاح کا کام شروع کر دیا تھا، اور لڑکے اور لڑکی کا حصہ ترکہ میں مساوی قرار دیا تھا لیکن جدید انقلاب کے بعد یہ ترمیم ختم کر دی گئی۔ اس وقت مملکت سعودیہ کے علاوہ کہیں بھی اسلامی سول قانون نافذ نہیں ہے، مملکت سعودیہ (جہاں بہت حد تک اسلامی حدود وتعزیرات بھی نافذ ہیں) نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کا نظام عدالت کہیں زیادہ سادہ، مختصر، عملی اور مقاصد قانون سازی کی تکمیل کا زیادہ ضامن اور امن ونظام قائم رکھنے میں زیادہ کامیاب ہے۔

اسلامی ممالک میں صرف پاکستان میں جس کی بنیاد اسلام کے نام پر رکھی گئی تھی اور اس کے بانیوں نے اس کو اسلامی طریق حیات کی ایک نئی تجربہ گاہ اور معمل قرار دیا تھا قانون کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کا آغاز کیا گیا، مرحوم نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اسلامی قانون کی تشکیل جدید کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی جس کے صدر مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور جس کے ارکان میں ملک کے مشہور عالم وفقیہ مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ تھے لیکن حکومتوں کی

تبدیلیوں، پاکستان کے بڑھتے ہوئے تجدد و مغربیت کے رجحانات اور حکومت پاکستان کے غیر واضح اور مبہم مقاصد اور تذبذب کی وجہ سے یہ کام ادھورا رہ گیا، ملک کے تمام قانون عدالت کو اسلامی بنانے کے بجائے وہاں اب مسلمہ مسلم پرسنل لا کے اندر تصرف و ترمیم کا کام شروع ہو گیا۔ ۱۹۶۱ء میں مسلم فیملی لا آرڈیننس کے نام سے ایک قانون کا اجرا ہوا جس میں تعدد ازدواج، مرد کے لیے طلاق کی آزادی اور دوسرے بعض اختیارات اور آزادیوں پر پابندیاں عائد کی گئیں اور نصوص صریحہ اور قوانین مسلمہ میں ایسی مداخلت کی نظیر قائم کی گئی جو غیر اسلامی ممالک کے لیے بھی ایک نئے فتنے کا باعث بن سکتی ہے۔

اب ان ممالک میں مسلم پرسنل لا یا قانون احوال شخصیہ کی کیفیت نفاذ اور ارتقاء کا جائزہ لیجیے جہاں یہ قانون زیادہ صحیح شکل میں نافذ ہے، سلطنت عثمانیہ کے قلمرو میں اس قانون کی اساس تمام تر مذہب حنفی تھا اور اس کی تفریعات و تفصیلات میں سراسر اسی مذہب پر دارمدار تھا، لیکن ۸ محرم ۱۳۳۶ھ کو "قانون حقوق العائلۃ" (فیملی لا) کے نام سے ایک آرڈیننس یا ایک ترمیم کا اجراء ہوا اس قانون کی رو سے متعدد مسائل میں ضرورت کے احساس کی بنا پر مذہب حنفی سے عدول کیا گیا اور دوسرے مذاہب کے احکام پر عمل کیا گیا تھا، مثلاً شوہر کی بدمعاملگی اور بدسلوکی کی بنا پر زوجین کے درمیان تفریق کا جواز، عورت کو ایسی حالت میں فسخ نکاح کا اختیار دینا کہ شوہر میں کسی مرض مزمن مثلاً جنون، جذام اور سل کا طبی ثبوت حاصل ہو جائے، ایسے مفقود الخبر کی بیوی کو نکاح کی اجازت جو معتدل حالات میں چار سال تک اور جنگ کی حالت میں ایک سال تک غائب رہے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس ترمیم و قانون کے نفاذ کے بعد بھی قانون پر نظر ثانی کی ضرورت، جدید تقاضوں کی رعایت اور نئی مشکلات کے مداوا کی ضرورت باقی رہی اور وسیع النظر علماء کو اس کی ضرورت محسوس ہوتی رہی کہ مسلمان خاندانوں کی بہترین تنظیم، تعلقات کی خوش گواری، معاشرہ کی خوش حالی اور بدلتے ہوئے زمانے کی ضروریات پورا کرنے کے لیے مذاہب اربعہ اور مختلف فقہی مکاتب فکر سے استفادہ کا دائرہ وسیع ہونا چاہیے۔

(۱) اس سلسلے میں سب سے پہلے مصر میں نئے حالات و ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مذہب حنفی کے علاوہ دوسرے مذاہب سے استفادہ کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کی تحریک سب سے پہلے ۱۹۱۵ء میں ہوئی اور مذاہب اربعہ کے ممتاز ترین علماء اور نمایندوں کی ایک کمیٹی کی تشکیل عمل

میں آئی اور اس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ احوال شخصیہ (پرسنل لا) کا ایک ایسا مجموعہ قوانین مرتب کرے جس کی بنیاد مذاہب اربعہ پر ہو، کمیٹی نے اپنا کام مکمل کرلیا، لیکن جب اس کو علماء اور ماہرین قانون کے سامنے لانے کا وقت آیا، تو اس کی ایسی شدت سے مخالفت ہوئی کہ اس کو تہہ کر کے رکھ دینا مناسب معلوم ہوا، اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں پھر ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی جس کے ارکان میں شیخ الازہر، مالکیوں کے سب سے بڑے عالم شیخ المالکیہ، مصر کی سب سے بڑی شرعی عدالت "المحکمة العليا الشرعية" کے صدر مصر کے سرکاری مفتی اعظم (مفتی الديار المصرية) اور دوسرے علماء تھے، اس کمیٹی کا کام محدود تھا، اس کو صرف بعض مسائل احوال شخصیہ کے بارے میں جن میں مذہب حنفی کے (جو مصر کا سرکاری قانون تھا) پابند رہنے سے بعض دقتیں پیدا ہوتی تھیں، قانون مرتب کرنا تھا۔ اس کمیٹی کی سفارشات پر ۱۹۲۰ء میں قانون نمبری ۲۵ جاری ہوا وہ حسب ذیل اصلاحات وترمیمات پر مشتمل تھا۔

(الف) نفقہ زوجیت وعدت کو اس وقت سے دین اور واجب الادا شمار کیا جائے گا جب سے شوہر نے اس سے دست کشی اختیار کی خواہ اس سلسلے میں کوئی عدالتی فیصلہ یا آپس کا سمجھوتہ نہ ہو، اسی طرح سے اس شخص کی زوجہ کے لیے جو نفقہ دینے سے قاصر رہا ہے طلاق طلب کرنے کی اجازت ہوگی اور ایک مہینہ کی تاجیل کے بعد اس کو طلاق ہو جائے گی، اسی طرح سے جس کو نفقہ دینے سے انکار ہو اس کی زوجہ کو اور مفقود الخبر کی زوجہ کو ایسی حالت میں بغیر کسی مہلت وتاجیل کے طلاق ہو جائے گی کہ زوج کے پاس کوئی قائم مالیت نہ ہو۔

(ب) زوجہ کو تفریق کے مطالبے کا حق ہوگا، اگر وہ اپنے زوج میں کوئی ایسا مستقل عیب محسوس کرے جس سے یا تو صحت یابی ممکن نہ ہو، یا طویل مدت کے بعد ممکن ہو۔

(ج) مفقود الخبر میت کے حکم میں شمار کیا جائے گا، اور یہ حکم زواج کے ساتھ محدود ہوگا، بشرطے کہ وہ چار سال تک واپس نہ آجائے، ایسی حالت میں زوجہ وہ عدت پوری کرے گی جو شوہر کی وفات پر کرتی ہے اور اس کو اس مدت کے گزر جانے کے بعد دوسرے مرد سے شادی کرنے کا حق ہوگا۔

یہ اس قانون مذکور کی اہم ترمیمات تھیں جو تمام تر مذہب مالکی سے ماخوذ ہیں، پھر ۱۹۲۹ء میں دوسرا قانون نمبری ۵ اصادر ہوا جس میں بعض جدید ترمیمات تھیں۔ زیادہ اہم ترمیمات حسب ذیل ہیں :

(الف) سکران اور مکرہ کی طلاق اور وہ طلاق جس کو فقہ کی اصطلاح میں طلاق غیر المنجز کہتے ہیں معتبر نہ ہوگی جب کہ اس کا مقصود کسی چیز کے کرنے یا کسی فعل کے ترک پر مجبور کرنا ہو۔

(ب) ایک سے زائد طلاق لفظاً یا اشارۃً ایک ہی واقع ہوگی۔

(ج) طلاق کے کنایات سے طلاق اسی وقت واقع ہوگی جب نیت محقق ہو۔

(د) ہر طلاق رجعی شمار ہوگی، سوائے اس طلاق کے جو دو رجعی طلاقوں کے بعد واقع ہو اور اس سے تین کا عدد پورا ہوتا ہو۔ اور سوائے اس طلاق کے جو خلوت صحیحہ سے پہلے دی جائے۔ اسی طرح وہ طلاق جو مال کے ساتھ مشروط ہو (الطلاق علی مال) اسی طرح سے طلاق کی وہ صورتیں مستثنٰی ہوں گی اور وہ طلاق بائن شمار ہوں گی جن کے بائن ہونے کی اس قانون سابق نمبر ی ۲۵ بابت ۱۹۲۰ء میں تصریح ہے۔

(ہ) ضرر اور ناموافقت اور مخاصمت ہونے پر زوجین میں تفریق جائز ہوگی۔

(و) شوہر کے ایک سال یا اس سے زائد مسلسل مفقود الخبر رہنے پر تفریق ہو سکے گی، اسی طرح جس مرد کو تین سال یا اس سے زائد مدت کی سزائے قید ہو جائے اس کی زوجہ کو بھی تفریق کا حق ہوگا۔

اسی طرح سے اس قانون میں دعوائے نسب، مطالبہ نفقہ، حق عدت ومہر، حضانت کی مدت اور مفقود الخبر کی مدت کے بارے میں کچھ دوسرے دفعات بھی ہیں جن کی تفصیل عالم جلیل پروفیسر عبدالوہاب خلاف کی فاضلانہ کتاب "احکام الاحوال الشخصیۃ" کے صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۶ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

۱۹۴۳ء میں احکام میراث کا نیا قانون نمبری ۷۷ صادر ہوا۔ پھر ۱۹۴۶ء میں بعض احکام وقف کی تنظیم جدید کے لیے قانون ۴۸ اور قانون ۷۱ صادر ہوا جو وصیت کے تمام قوانین واحکام پر مشتمل ہے اس وقت تک مصر میں (ہمارے علم میں) پرسنل لا کا کوئی ایسا مکمل قانون نہیں بنا جو تمام مسائل واحکام پر حاوی ہو، اس حیثیت سے یہ کام سب سے پہلے سوریہ میں ہوا۔ اور سب سے پہلے یہ قدم شام کی وزارت قانون نے اٹھایا۔

اس نے ۲۳ راکتوبر ۱۹۴۵ء میں محکمہ قانون کے ایک لائق رکن استاد علی طنطاوی کو جو اس وقت دومہ دمشق کے قاضی شرعی تھے اور اب عدالت عالیہ محکمۃ التمیز کے مستشار ہیں قانون

احوال شخصیہ (پرسنل لا) پر نظر ثانی کرنے اور رپورٹ پیش کرنے کا کام سپرد کیا، اگلے سال ۳ ردسمبر ۱۹۴۶ء کو وزارت قانون نے صاحب موصوف کو مصر کے قوانین اور اس کا مطالعہ کرنے کے لیے کہ مصر میں "احوال شخصیہ" اور قانون میراث ووصیت میں کیا تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں، مصر بھیجا۔ استاذ علی طنطاوی نے مصر میں ایک سال رہ کر مسئلے کا مطالعہ کیا اس کے بعد اپنی سفارشات اور ریمارکس پیش کیے۔ ۲۳ر جولائی ۱۹۴۹ء کو وزارت قانون نے ماہرین فن کی ایک کمیٹی مقرر کی، جو ان سفارشات پر غور کرے، دو سال کے بعد ۱۹۵۱ء میں اس کام کی تکمیل اور اس کو آخری قانونی شکل دینے کے لیے ایک دوسری کمیٹی کا تقرر کیا اس کمیٹی نے اپنا کام مکمل کر لیا اور احوال شخصیہ کا ایک ترمیم شدہ قانون وزارت قانون کے سامنے پیش کیا لیکن دمشق کے بہت سے علماء نے اس نئی قانونی شکل کے خلاف احتجاج کیا جس میں مذہب حنفی سے کئی جگہ عدول کیا گیا تھا، اس احتجاج ومخالفت کے نتیجے میں دو سال تک اس کا نفاذ ملتوی رہا بالآخر ۱۷ر ستمبر ۱۹۵۲ء کو اس کا اجراء ہوا اور وہ حکومت سوریہ کا قانون احوال شخصیہ قرار دیا گیا۔

لبنان میں قدیم اسلامی قانون پر اب بھی عمل ہے جو ترکی سلطنت کے دور میں حقوق العائلہ (فیملی لا) کے نام سے صادر ہوا تھا جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے اس ملک میں ابھی تک کوئی نیا پرسنل لا نہیں بنا، چند سال ہوئے بعض انجمنوں اور بعض حلقوں کی طرف سے پر زور طریقے پر مطالبہ کیا گیا تھا کہ احوال شخصیہ کا ایک ایسا قانون مرتب کیا جائے جس میں وحدت ہو اور جس کا ملک کے تمام فرقوں پر یکساں نفاذ ہو، لیکن مسیحی کلیسا اور علماء اسلام کے مشترک احتجاج ومخالفت کی بنا پر یہ تحریک ختم ہو گئی اور حکومت نے کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں سمجھا۔

عراق میں جہاں سنی اور شیعہ دو بڑے فرقے پائے جاتے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں وزارت قانون نے ایک قانون کا اجراء کیا تھا جس کا نام "لائحۃ الاحوال الشخصیۃ" تھا وہ دراصل عراق کے قانون مدنی کا محض ایک ضمیمہ اور تکملہ تھا اور وہ احوال شخصیہ سے متعلق تمام احکام پر مشتمل بھی نہیں تھا، اس میں اس کی تصریح تھی کہ شیعہ عدالتوں میں مذہب جعفری کے احکام پر عمل کیا جائے گا، یہ قانون درحقیقت اس قانون احوال شخصیہ کا اختصار تھا جس کو مرحوم قدری پاشا نے سلطنت عثمانیہ کے دور میں مرتب کیا تھا اور جو تمام تر مذہب حنفی سے ماخوذ ہے۔ عراق سے متعلق تفصیلات معلوم کرنے کے لیے استاذ حسین علی اعظمی کی کتاب "الاحوال الشخصیۃ" کے

پہلے حصے کے مقدمے کا مطالعہ مفید ہوگا۔

جہاں تک شام کا تعلق ہے جہاں سب سے زیادہ سنجیدہ اور ذمہ دارانہ طریقے پر نظر ثانی کا کام انجام پایا اور وہاں سب سے زیادہ مکمل و مرتب قانون احوال شخصیہ نافذ ہے۔ ان قانونی تفصیلات و ترمیمات کے معلوم کرنے کے لیے شام کے مشہور فاضل اور دینی رہنما ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی پروفیسر قانون احوال شخصیہ دمشق یونی ورسٹی کی فاضلانہ کتاب "شرح قانون الاحوال الشخصیۃ" (۱-۲-۳) کا مطالعہ مفید ہوگا۔ مجھے اس کے اظہار میں مسرت ہے کہ اس مقالہ کی بیش تر معلومات اسی کتاب کے حصہ اول کے مقدمہ اور اپنے دوسرے فاضل دوست الاستاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء استاذ حقوق مدنیہ و شریعت اسلامیہ، لا کالج دمشق و سابق وزیر قانون حکومت شام، کی قابل فخر کتاب "المدخل الفقھی العام" کے حصہ اول کے مقدمہ سے ماخوذ ہیں۔

حضرات! ہندوستان کے "مسلم پرسنل لا" پر غور اور نظر ثانی کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس کا جائزہ لے لیا جائے کہ دوسرے مسلم ممالک میں اس سلسلے میں اس وقت تک کیا کیا کام کیا گیا ہے اور کس طرز پر کیا گیا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو ان علمی کاوشوں اور اس علمی ذخیرے سے جو ان ملکوں میں مہیا ہو گیا ہے مناسب طریقے پر فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ بات اس لیے بھی ضروری تھی کہ خوش قسمتی سے ابھی مصر و شام میں چند اہم علمی ادارے اور دینی مرکز موجود ہیں، جہاں تک علمی شخصیتوں کا تعلق ہے مصر میں علامہ محمد ابوزہرہ کی نہایت اہم و جلیل القدر علمی شخصیت ہے جو نہ صرف اپنی وسعت نظر میں خاص امتیاز رکھتے ہیں بلکہ علمی و دینی استقامت میں بھی پایہ بلند رکھتے ہیں۔ انہوں نے متعدد مواقع پر مصر کے حدود سے تجاوز کرنے والے متجددانہ رجحانات اور شیخ الازہر کی جیسی مرکزی شخصیت کے بعض علمی آراء اور "اجتہادات" کا بڑی پامردی اور دلیری سے مقابلہ کیا۔ ان کی فاضلانہ کتاب "الاحوال الشخصیۃ" ہمارے لیے خاص طور پر قابل استفادہ ہے، شام میں ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، استاذ مصطفیٰ الزرقاء اور ڈاکٹر معروف الدوالیبی کی شخصیت بڑی نمایاں اور ممتاز ہے، ان کا وسیع علم، قدیم وجدید سے واقفیت اور دماغی توازن، ہمارے لیے مشعل راہ بن سکتا ہے، اس سلسلے میں جو بھی کام کیا جائے گا اس میں ہم اپنے ان نامور معاصر علماء کے مفید مشوروں اور مخلصانہ محنتوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

اس علمی وسعت نظر اور وسعت قلب کے ساتھ جو ہمارا دینی فریضہ اور علماء سلف کی

روایت و وراثت ہے ہم اس حقیقت کا بھی برملا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے لیے کوئی مسلم ملک قطعی وکلی طور پر واجب الاتباع اور واجب التقلید نہیں اور نہ کسی ملک کے جدید رجحانات، نئے قوانین اور حکومت کے فیصلے ہمارے اوپر حجت بن سکتے ہیں، ماسوا اس بات کے کہ یہ کوئی شرعی اور فقہی دلیل نہیں، قانون اسلامی کے مآخذ اور اس کی بنیادیں کتاب وسنت، اجماع وقیاس، عالم گیر ودائمی مآخذ ہیں اور انہیں کی روشنی میں اس زمانے میں کام ہوا ہے اور آیندہ کام ہوگا اور ماسوا اس بات کے کہ ایک مسلمان پر کسی دوسرے مسلمان کا عمل یا رجحان حجت نہیں بن سکتا، حجت صرف اللہ کی کتاب، اس کے رسولؐ کی سنت صحیحہ اور استنباط مسائل کے وہ مآخذ اور سرچشمے ہیں جن پر کسی ملک یا قوم کی اجارہ داری نہیں ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کی زبان سے نکلا ہوا یہ فقرہ اب بھی فضا میں گونج رہا ہے اور قیامت تک گونجتا رہے گا کہ ائتونی بشئی من کتاب اللّٰہ و سنة رسولہ حتی اقول بہ ۔ماسوا ان سب حقائق کے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خود ہندوستان اپنی ایک مستقل ومنفرد علمی ودینی شخصیت رکھتا ہے عالم اسلام کی دینی وعلمی تاریخ میں اس کا اپنا ایک مقام رہا ہے، جب سارے عالم اسلام پر فکری اضمحلال وعلمی انحطاط کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور کوئی ایسی شخصیت وہاں نہیں پیدا ہو رہی تھی جو متوسط علمی سطح سے بلند ہو اور کوئی مجتہدانہ فکر یا نئی علمی تحقیق پیش کر سکے تو ہندوستان ۔نے ایسے باکمال اور مجتہد الفکر علماء ومصنف پیدا کیے جن کے علمی تفرد اور مجتہدانہ قابلیت کا سکہ عرب وعجم نے مان لیا اور علمی وتدریسی حلقے عرصے تک ان کی کتابوں اور ان کے متون کی شروح سے گونجتے رہے۔علامہ محمود جون پوریؒ، ملا محب اللہ بہاریؒ، مولانا عبدالعلی بحر العلومؒ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نام خاص طور پر لیے جا سکتے ہیں۔عصر حاضر میں بھی مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاریؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے فقیہ النفس عالم پیدا ہوئے جو اس کام کی تکمیل کے لیے نہایت موزوں تھے، پھر اس سب کے ماسوا ہندوستان نے دینی استقامت، فکر توازن اور رسوخ فی العلم کا ایسا ثبوت دیا، کہ وہ دوسرے عرب اور اسلامی ممالک کے لیے ایک قابل تقلید مثال بن گیا اور آج بھی عرب اور قدیم اسلامی ممالک کے اہل علم واہل فکر ہندوستان کی طرف عظمت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بہت سے مسائل میں اس سے دینی وعلمی رہنمائی کے